علامہ شبلی نعمانیؒ کا سیرت نگاری میں درایتی معیار
(ایک تجزیاتی مطالعہ)

عاصم نعیم*

قرآن اور سنت، دین وشریعت اور سیرت کے بنیادی مآخذ ہیں۔ سیرت کے دیگر مصادر، ان دو بنیادی مصادر کے ساتھ مل کر، سیرت کی تکمیل وتزئین کرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ کے باہمی تعلق کی بنیاد بھی سیرتِ رسول ﷺ ہے، کہ اس تعلق کا آغاز، رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی سے ہوا۔ اپنی دعوت کے آغاز سے لے کر وقتِ وصال تک، آپ ﷺ کو مختلف قسم کے حالات کا سامنا رہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تمام مراحل پر آپ کو وحی قرآنی کی صورت میں ہدایت و راہنمائی ملتی رہی۔ سنت و حدیث، آپ ﷺ کے اقوال وافعال، خصائل وعادات، اور خصائص و احوال کے ریکارڈ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ درایتِ حدیث، مباحث ومسائل کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے، جس سے راوی اور مروی (روایت) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، یعنی اس علم میں سند اور متن کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ ایجابی وسلبی ہر دو پہلوؤں سے عقلی اور نقلی معیاروں پر روایت کو پرکھا جاتا ہے کہ اس سے کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو لازم نہیں آتی۔ اصولی طور پر قرآنِ حکیم اور کتب احادیث کو ہی کتبِ سیرت کا ماخذ ہونا چاہیے تھا۔ تاہم کتبِ سیرت کی ارتقائی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کے موضوع پر تصنیف وتالیف کا آغاز کتبِ مغازی سے ہوا ہے۔ اصحابِ مغازی جیسے، عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان، ابن شہاب زہری، واقدی اور ابن اسحاق وغیرہم کی روایات سیرت کا مصدر قرار پائیں۔ ان ابتدائی کتب میں مستند اور غیر مستند، ہر دو قسم کی روایات پائی جاتی تھیں۔ بعد ازاں صحیح روایات کی مدد سے سیرت لکھنے کا رجحان سامنے آیا۔ برصغیر پاک وہند میں تصنیفِ سیرت کو قرآنی تصریحات اور درایتِ حدیث پر پرکھنے کا ایک جدید اور جاندار رجحان دینے والی شخصیت علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) ہیں۔

اردو زبان میں سیرت کی مشہور ترین کتاب ''سیرۃ النبی'' (۱) کے مصنف، علامہ شبلی نعمانی، انیسویں اور بیسویں صدی کی وہ نامور اور معروف علمی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی ہمہ جہت دینی وعلمی سرگرمیوں اور وقیع تحقیقی وتنقیدی نگارشات سے اس خطہ کے تہذیبی ورثہ کو مالا مال کیا ہے۔ عصرِ حاضر کی علمی وادبی تاریخ خصوصاً سیرتی ادب کے تذکرہ

* لیکچرر، شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

میں ان کے نام کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ علامہ شبلی کی علمی وفکری تربیت قدیم اور جدید دونوں ماحول میں ہوئی تھی، اس لیے ان کی تحریروں میں دونوں علمی رویوں کا آہنگ صاف نظر آتا ہے۔ قدیم علوم نے ان کی بنیاد مضبوط کی اور جدید تحقیقی منہاج نے ان کے نقطۂ نظر کو وسعت اور جدت فراہم کی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی نظر میں سیرت کی حیثیت ایک ایسی کتاب کی نہ تھی کہ جس میں تاریخی واقعات واقعہ نگاری کی حیثیت سے درج ہوں۔ ان کا مقصد فنِ سیرت میں ایک ایسی جامع اور محققانہ کتاب لکھنا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، واقعات اور کارنامے مستند طریقے پر بیان کئے گئے ہوں اور آپؐ کا پیغام، ہدایت وشریعت اور اسلام کی دعوت وتعلیم، صحیح اور معتبر مآخذ کی مدد سے موجودہ دور کے مذاق کے مطابق بیان کی گئی ہو۔ اس طرح انہوں نے روایات کے انتقاد کا اہتمام کیا اور فن سیرت کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔

تالیفِ سیرت کے ضمن میں فاضل مصنف نے جن اصولوں کو پیشِ نظر رکھا ہے ان میں سے چند اہم اصول یہ ہیں:۔

i۔ مصدرِ اول۔ قرآنِ حکیم:

قرآن حکیم سے ان کی دلچسپی وشغف کے مظاہر ان کی تصانیف وتالیفات سے عیاں ہیں۔ ''سیرت النبیؐ'' اور ''الکلام اور علم الکلام'' میں قرآنی آیات سے استدلال جگہ جگہ موجود ہے اور مولانا شبلی کی قرآن فہمی پر ناطق ہے۔ سیرت کے ان مباحث میں جن کا تعلق صُحفِ بنی اسرائیل اور قرآن پاک سے ہے، وہ اپنے عَم زاد بھائی مولانا حمید الدین فراہی سے، جنہوں نے اس قسم کے مسائل پر بہ تحقیق غور کیا تھا، اکثر مشورے کرتے رہتے تھے، جن کا حوالہ مکاتیب شبلی میں جابجا موجود ہے۔(۲) اپنے اصول تصنیف وترتیب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''(میں نے) سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے ان کو سب پر مقدم رکھا ہے۔ یہ قطعاً ثابت ہے کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن لوگوں نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی اس لیے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے ہیں۔''(۳)

ii۔ احادیثِ صحیحہ سے استناد:

مصنف کی نظر میں ''قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے اور احادیث صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔ جو واقعات بخاری ومسلم میں مذکور ہیں ان کے مقابلہ میں سیرت یا تاریخ کی کوئی ضرورت نہیں، اربابِ سیر کو ایک بڑی غلطی یہ لگی ہے کہ وہ واقعات کو کتب حدیث میں، ان موقعوں میں ڈھونڈتے ہیں جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اس کو درج ہونا چاہیے اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کمتر درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں۔ لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آجاتے ہیں اس لیے اگر عام

استقرا اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام واقعات میں خود صحاحِ ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں۔ ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی روایتوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے جو اہلِ سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔'' (۴) مزید کہتے ہیں:

''بعض واقعات نہایت اہم ہیں ان کے متعلق حدیث کی کتابوں میں ایسی مفید معلومات موجود ہیں جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے لیکن سیرت و تاریخ میں ان معلومات کا ذکر نہیں۔ مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کا سلسلہ جنبانی کس طرف سے شروع ہوا؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے۔ تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور واضح تصریح ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا استیصال کر دیں گے۔'' (۵) سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ سرے سے منقول نہیں۔

iii۔ راویانِ سیرت کی تحقیق:

علامہ شبلی کے نزدیک (احادیث کی روشنی میں) تاریخی واقعات کی تحقیق اور ان کی صحت و عدم صحت معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ روایت۔ یعنی سلسلہ روایت متصل ہو اور تمام رواۃ پر نقد و جرح کی نظر ڈال کر دیکھا جائے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے، قابلِ اعتبار ہیں یا ناقابل اعتبار۔ دوسرا طریقہ ان کے نزدیک درایت ہے یعنی یہ دیکھنا کہ جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے از روئے عقل صحیح ہے یا نہیں۔ قیاس و قرینے سے اس کی تصدیق ہو رہی ہے یا تکذیب۔ (۶) ابن سعد اور طبری کے بارے میں علامہ شبلی کی رائے یہ ہے کہ ان کے بہت سے رواۃ، ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔ واقدی ان کی نظر میں کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں۔ جبکہ ابن ہشام کے راویوں کو بھی انہوں نے مشکوک قرار دیا ہے۔ اس بنا پر ان کی نظر میں مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتبِ حدیث کے ہم پلہ نہیں۔ ان کتب میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتب سے استناد نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ ان میں سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اُتر جائے وہ حُجت اور استناد کے قابل ہے۔ (۷) قبل از بعثت شام کے سفر میں نبی ﷺ کی بحیرہ راہب سے ملاقات کے واقعہ پر ان کا تبصرہ اس کی ایک مثال ہے۔ (۸)

فاضل مصنف نے روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا امکان کدو کاوش کی ہے۔ اس خاص ضرورت کے لیے انہوں نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ

انتخاب کر لیے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح وتعدیل کا نقشہ تیار کیا اور اس طرح سلسلہ روایت کی تحقیق سے قارئین کو مستفید کیا ہے۔(۹)

iv۔روایات کی عقلی و درایتی معیار پر جانچ پرکھ:

علامہ شبلی اسلام کو بجا طور ایک عقلی مذہب قرار دیتے تھے جس نے عقل کی اہمیت تسلیم کی اور عقائد و اعمال میں عقل سے کام لینے کی ضرورت پر زور دیا۔(۱۰) علامہ شبلی کی رائے میں واقعات سیرت کو عقلی و درایتی معیارات پر جانچنے پرکھنے کا آغاز متقدمین مؤرخین و محدثین کے دور سے ہی ہو گیا تھا۔ محدثین نے ان تمام معیارات (Criterion) اور پیمانوں (Standards) کی صراحت کے ساتھ نشان دہی کر دی تھی جس پر ایک روایت یا واقعہ کو پرکھا جائے گا اور ان پیمانوں سے کام بھی لیا۔ جیسے مقدمہ اول میں لکھتے ہیں:

> ''محدثین کا بھی اصول ہے کہ واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اسی درجہ کی اہم ہونی چاہیے۔ نوعیت واقعہ کی اہمیت کا خیال فقہائے حنفیہ نے ملحوظ رکھا۔ اسی بنا پر ان کا مذہب ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا راوی فقیہ اور مجتہد ہے یا نہیں۔'' (۱۱)

علامہ شبلی نے ایک اور نکتہ کو بہت اہمیت دی ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس میں کس قدر اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے۔ تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے، وہ اس کا قیاس ہے، واقعہ نہیں۔ اس کی مثالیں سیرت میں موجود ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ازواج سے عارضی اور وقتی ناراضگی کو راوی کا طلاق سمجھ لینا اس کی ایک مثال ہے۔

علامہ شبلی نے اس بحث کو نہایت اہم قرار دیا ہے کہ اگر کوئی روایت عقل یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہو گی یا نہیں کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلہ سند متصل ہے۔ انہوں نے چند مثالیں دی ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اکابر صحابہؓ میں ایسے لوگ موجود تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہے۔(۱۲)

نیز یہ کہ صحابہؓ اور محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا ہے جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا گو ان کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے۔ چند مزید واقعات لکھ کر یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ بہت سے محدثین سلسلہ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں۔(۱۳)

جیسے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف کر دیا تھا اور معافی کی دستاویز لکھوا دی تھی۔'' ملا علی قاری نے اس روایت کو مختلف وجوہ سے باطل قرار دیا ہے:

۱۔ اس معاہدہ پر سعد بن معاذؓ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

۲۔ دستاویز میں کاتب کا نام معاویہؓ ہے حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ جزیہ کا حکم قرآن مجید میں غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا۔

۴۔ دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بے گار نہیں لی جائے گی حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے گار کا رواج ہی نہیں تھا۔

۵۔ خیبر والوں نے اسلام کی مخالفت کی تھی۔ ان سے جزیہ معاف کیوں کیا جاتا؟

۶۔ اگر ان سے جزیہ معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ، دوست اور واجب الرعایۃ ہیں حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے۔ (۱۴)

۷۔ واقعات کے اسباب وعلل کی بحثیں:

علامہ شبلی، یورپین مصنفین کے منہج تاریخ کے زیر اثر روایات و واقعات سے نتائج اخذ کرنے اور اس واقعہ میں پوشیدہ مضمرات کے طریق سے آگاہ و آشنا ہو چکے تھے۔ وہ اہم واقعات کو واقعہ نگاری کے انداز میں بیان کرنے کے بعد اس پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالتے ہیں عام اہل سیر کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں اور قدیم کتب مغازی و تاریخ کے بیانات کو بنیاد بنا کر مستشرقین نے جو نتیجہ خیزی کی ہوتی ہے، اس کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں۔ تاریخی تحقیق وتنقید کا انداز ابتداء انہی یورپین کی تصانیف سے اخذ کیا۔ بعد ازاں اسی اسلوب میں ان کی غلط بیانیوں کا جواب دیا۔

مقدمہ سیرت میں رقم طراز ہیں: ''ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب وعلل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش وتحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر چہ اس باب میں شبہ نہیں ہے کہ اس بارے میں اہلِ مغرب کے مؤرخین کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے۔ یورپین مؤرخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دوراز کار قیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلولات پیدا کرتا ہے۔ اس میں کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مقصد و مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے اور تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اسلامی مؤرخ نہایت سچائی اور خالص بے طرف داری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے۔ اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب، معتقدات اور تاریخ پر کیا پڑے گا۔ اس کو صرف واقعیت سے غرض ہوتی ہے۔ باقی معاملات اس کے نزدیک بے حیثیت ہوتے ہیں۔'' (۱۵)

فاضل مصنف کی نظر میں اسباب ومعلولات سے بالکل قطع تعلقی اور عدم توجہی کی بنا پر قارئین بعض اوقات واقعہ سے غیر صحیح نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور مستشرقین ان واقعات کو اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں ابتدائی مؤرخین میں تجزیہ، تعلیل اور تنقید کی کمی نظر آتی ہے، جب کہ غیر معمولی واقعات اور تاریخ و اعتقادات پر غیر معمولی اثر ڈالنے والے وقائع کے رواۃ کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱۶)

فاضل سیرت نگار نے ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر روایات سیرت کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جس کے نتیجے میں کئی

واقعات و بیانات نئی شکلوں میں سامنے آئے ہیں، جن کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے:

۱۔ غزوہ بدر کے اسباب:

مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں نے غزوہ بدر کے اسباب میں اس بات کو اہمیت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ تجارت کو روکنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے تھے، وہ قافلہ تو بچ نکلا مگر اس کی مدافعت کے لیے جو قریش کا لشکر مکہ سے نکلا تھا، اس سے بدر کے میدان میں مُڈبھیڑ ہوگئی اور جنگ برپا ہوگئی۔(۱۷)

علامہ شبلی نے اس کے برعکس یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابتدا ہی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لشکر کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے، علامہ شبلی نے سیرت النبی اور الفاروق دونوں کتابوں میں اس پر بحث کی ہے۔(۱۸) علامہ شبلی نے اس رائے کو قرآن کی آیات سے مدلل کیا ہے، اس سلسلہ میں علامہ نے ایک اصول یہ بیان کیا ہے کہ ''قرآن مجید میں اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اس کے مقابلہ میں کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔''(۱۹) انہوں نے قرآن کریم کی شہادت کو کافی قرار دیتے ہوئے کہا کے اس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے۔(۲۰)

پھر انہوں نے استدلال میں حسب ذیل آیات کو پیش کیا ہے۔

كَمَآ اَخرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيتِكَ بِالْحَقِّ ..... وَيَقطَعَ دَابِرَ الكَافِرِينَ.(۲۱)

جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا درآں حالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا یہ لوگ حق کے ظاہر ہوتے پیچھے تجھ سے حق بات میں جھگڑا کرتے تھے گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں کوئی جماعت تم کو ہاتھ آئے گی۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

اپنے استدلال کو مبرہن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ ترکیب نحوی کی رو سے ''وِانّ'' میں جو واؤ ہے، حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے، یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپؐ مدینہ سے نکل رہے تھے ، نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ آگے بڑھے۔ کیوں کہ واو حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چُرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔

۲۔ آیت مذکورہ میں تبصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروان تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچ

کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ دونوں میں ایک کا وعدہ ہے۔ اس لیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو۔ الخ

۳۔ سب سے قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکور بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے کہ ایک قافلہ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آ رہے تھے، آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی۔ وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم و یرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلمته ویقطع دابر الکافرین (اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے، اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے) ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔

۴۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ بھی ہیں جس میں ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے کچھ صحابہؓ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔ اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف یہ اضطراب، یہ پہلو تہی کس بنا پر تھی؟ قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ آیت تھی: لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر۔۔۔الخ (۲۲) (اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے، اور یوں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے ''غیر اولی الضرر'' کا جملہ نہ تھا۔ یہ آیت سن کر حضرت عبداللہ بن مکتومؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا۔ اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا: غیر اولی الضرر یعنی معذوروں کے سوا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔ کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے تھے ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ .(۲۳)

اوران لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے۔

اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہارِ شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے؟......(۲۴)

علامہ شبلی نعمانی نے قرآنی آیت سے جو استدلال کیا ہے اسے بعض مفسرین اور سیرت نگاروں نے قرآنی اشارات اور حدیث کی صراحتوں کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:
''جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس سفر میں حضورؐ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو مدینہ پر ازخود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث وسیر اور اشاراتِ قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔''(۲۵) تاہم کسی حلقہ کی طرف سے علامہ شبلی کے بیان کیے گئے نکات کے معقول جوابات نہیں دیے گئے۔

۲۔اسیران بدر سے فدیہ لینے پر عتاب:

سورہ انفال میں جنگِ بدر کے قیدیوں اور مالِ غنیمت سے متعلق ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ .(۲۶)

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے، اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ عتاب جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں نازل ہوا تھا، صحابہؓ میں حضرت عمرؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفار مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکیں، جب کہ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ یہ اپنے ہی بھائی بندے ہیں ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر انسانی ہمدردی تھی جب کہ صحابہؓ کے پیش نظر مالی منفعت یعنی فدیہ کا حصول تھا۔ صحابہؓ کی یہ ایک اجتہادی غلطی قرار دی گئی اور بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے مشورہ دیا تھا، ان کو صاف طور پر تریدون عرض الدنیا سے خطاب کیا گیا۔(۲۷)

علامہ شبلی نعمانی اس بات سے تو اتفاق کرتے ہیں کہ عتاب فدیہ لینے پر تھا، البتہ اسیرانِ بدر کو قتل نہ کرنے سے عتاب کا تعلق نہیں تھا۔ الفاروق میں بھی یہ بحث موجود ہے۔ لیکن ہم یہاں سیرت النبی کی عبارت نقل کرتے ہیں:

''صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ . یعنی تمہارے ساتھیوں نے فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر میں رو رہا ہوں۔ عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیرانِ جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ. لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خون ریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں۔ اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر خون ریزی سے پہلے گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کیے جا سکتے ہیں۔(۲۸)

۳۔ شراب کی حرمت کا زمانہ نزول:

شراب کی حرمت کا قطعی حکم قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ، إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ. (۲۹)

مسلمانو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد اور نماز سے روک دے تو بولو: تم باز آتے ہو۔

حافظ ابن حجر نے اس آیت کا زمانہ نزول ۸ھ یعنی فتح مکہ کا سال قرار دیا ہے۔(۳۰) علامہ شبلی نے حافظ ابن حجر کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور مسند احمد کی روایت سے ان کے استدلال کو صحیح نہیں قرار دیا ہے۔ فاضل سیرت نگار لکھتے ہیں:

''ہماری رائے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور استدلال صحیح نہیں، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی، علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی۔ یہ کس طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ھ تک حلال رہتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوئی۔ حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہو

چکی تھی۔(۳۱) علامہ شبلی نے اس سے پہلے شراب کی حرمت کا سال ۵ھ لکھا ہے۔(۳۲) علامہ سید سلیمان ندوی نے حرمتِ شراب سے متعلق روایتوں پر تبصرہ کرنے کے بعد بطور نتیجہ لکھا ہے: ''شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے متصل تھا۔''(۳۳) مولانا ادریس کاندھلوی نے ابن اسحاق کے حوالہ سے ۴ھ کو حرمتِ شراب کا سال قرار دیا ہے۔(۳۴)

۴۔واقعہ تحریم ازواج:

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ قبطیہ باندی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ چنانچہ امام نسائی نے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شب باشی کے لیے ایک باندی تھی جسے آپ نے حضرت عائشہؓ وحفصہؓ کی وجہ سے حرام کر لیا تھا۔(۳۵)

تاہم صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس حضورؐ شہد نوش فرمایا کرتے تھے اور وہاں ٹھہرتے تھے تو حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے یہ طے کیا کہ جب آپ وہاں تشریف لائیں تو ہم کہیں گے کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ آپ کے منہ سے مغافیری کی بُو آرہی ہے۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں میں نے زینب کے پاس شہد کھایا ہے۔ آئندہ میں نہیں کھاؤں گا۔ اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔(۳۶)

حافظ ابن کثیر نے اسی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳۷) علامہ شبلی نعمانی نے کتب حدیث وتفسیر میں وارد اس سلسلہ کی مرویات کا تجزیہ کیا ہے اور ماریہ قبطیہ کے حرام کر لینے کی جو روایت آئی ہے اس پر روایت ودرایت دونوں نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کسی طرح بھی قابل اعتنا اور لائق توجہ نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''یہ امر مسلم ہے کہ ماریہؓ کی روایت صحاح ستہ کی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ سورہ تحریم کا شانِ نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے، امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں، صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطا ہے، ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استفسار کے قابل ہے۔ یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدوکاوش کی حاجت نہیں، جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کیے جا سکتے، نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا۔''(۳۸)

۵۔ایلاء، تخییر، مظاہر ازواج کے واقعات:

علامہ شبلی کا ان واقعات کے بارے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ صحیح بخاری

کتاب النکاح میں ابن عباس کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہرات سے انعزالی، افشائے راز، آیتِ تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں۔(۳۹)

۶۔غرانیق العلیٰ کی تحقیق:

بعض کتبِ تفسیر و سیرت کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے متعلق ایک گمراہ کن واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حرم پاک میں نماز ادا کر رہے تھے، وہاں کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ نے مذکورہ آیت پڑھی تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے۔ تلك الغرانيق العلى ان شفاء عتهن لترتجیٰ ۔(یہ بت معظم ومحترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے)۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔صحیح بخاری میں واقعہ کی نوعیت صرف اتنی ہے کہ بروایت ابن عباسؓ سورۃ النجم کی آیت پر سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس کو سجدہ کیا۔(۴۰)

علامہ شبلی نے واقعہ کا اتنا حصہ تسلیم کیا ہے جتنا کہ بخاری میں مذکور ہے باقی القاء شیطان کی جو وضاحت کی ہے وہ بہت اہم اور عقل کو اپیل کرتی ہے، علامہ نے کفار کی دو عادتیں نقل کی ہیں۔اول جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے۔ دوم قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے:

واللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى، فانهن الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجیٰ .

لات وعزیٰ اور تیسرے بُت منات کی قسم یہ بلند و بزرگ ہیں اور ان کی شفاعت باعث امید ہے۔

فاضل سیرت نگار نے ان دونوں عادتوں کے ضمن میں یہ استدلال کیا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورہ النجم کی وہ آیتیں پڑھیں تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز میں ملا کر پڑھ دیئے ہوں گے، دور کے لوگوں کو (کفار میں سے) شبہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی وہ الفاظ ادا کیے۔اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہلائے ہوں گے۔اس واقعہ نے روایتوں میں صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کر لی کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے، اور جوں کہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے۔اس لیے راویوں نے اس روایت کو تسلیم کر لیا۔(۴۱) علامہ شبلی نے "المواهب اللدنيه" کی عبارت اپنی اس توجیہ کے حق میں پیش کی ہے۔

۷۔ جنگ احزاب کے موقع پر فرشتوں کے لشکر کی آمد:

جنگِ احزاب کے موقع پر جب دشمن حملہ آوروں نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آندھی بھیج کر دشمن فوجوں کو منتشر کر دیا۔ اس موقع کے متعلق قرآن میں وارد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا.(۴۲)

مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

مذکورہ آیت میں آندھی کا مطلب واضح ہے مگر نہ دکھائے دینے والی فوجوں کا مطلب کیا ہے؟ قدیم مفسرین نے اس سے مراد فرشتوں کی جماعت لیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

هم الملئكة زلزلتهم والقت فى قلوبهم الرعب والخوف. (۴۳)

یعنی وہ فرشتے تھے جنہوں نے کفار کے قدم اکھاڑ دیئے اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کر دیا

علامہ شبلی نعمانی نے ان مخفی فوجوں سے مراد اسی طوفانی ہوا کو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''محاصرہ جس قدر طویل ہوتا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے۔ دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آ گیا۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں، کھانے کے دیگچے چولہے پر الٹ الٹ جاتے تھے، اس واقعے نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بادِ صرصر کو عسکر ہی سے تعبیر کیا ہے۔'' (۴۴)

حوالہ جات وحواشی

۱۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی (۷ جلد)، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء
۲۔ ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی، ص: ۱۸۷
۳۔ سیرت النبی، ۱/۴۷
۴۔ ایضاً، ۱/۴۷
۵۔ ایضاً، ۱/۴۹
۶۔ ایضاً، ۱/۴۵
۷۔ ایضاً، ۱/۴۵-۴۶
۸۔ ایضاً، ۱/۱۱۹
۹۔ ایضاً، ۱/۴۷
۱۰۔ ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی: الکلام، ص: ۱۹
۱۱۔ سیرت النبی ۱/۶۵
۱۲۔ ایضاً، ۱/۵۹
۱۳۔ ایضاً، ۱/۶۱
۱۴۔ ایضاً، ۱/۴۵
۱۵۔ ایضاً، ۱/۴۳
۱۶۔ ایضاً، ۱/۴۷
۱۷۔ ایضاً، ۱/۱۹۵ تا ۱۹۸
۱۸۔ شبلی نعمانی، الفاروق، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۲۸-۴۱
۱۹۔ سیرت النبی، ۱/۲۰۰
۲۰۔ ایضاً، ۱/۲۰۱
۲۱۔ الانفال، آیات ۵ تا ۷
۲۲۔ النساء: ۹۵
۲۳۔ الانفال: ۴۷

۲۴۔ سیرت النبی، ۱/۲۱۰ تا ۲۱۳

۲۵۔ (الف) شبیر احمد عثمانی، حاشیہ ترجمہ شیخ الہند، سورۃ الانفال، مطبوعہ الملک فھد، ص: ۲۳۵

(ب) الانفال: ۶۱ تا ۶۸

۲۷۔ حاشیہ ترجمہ شیخ الھند عثمانی، الانفال: ۶۷

۲۸۔ صحیح مسلم، باب الإمداد بالملائکة فی غزوة بدر؛ سیرت النبی ۱/۴۰۴

۲۹۔ المائدہ، ۹۰، ۹۱

۳۰۔ ابن حجر، فتح الباری، کتاب التفسیر، باب لیس علی الذین امنوا، رقم الحدیث: ۴۴۸۴

۳۱۔ سیرت النبی، ۲/۸۸

۳۲۔ ایضاً، ص: ۸۵

۳۳۔ ایضاً، ص: ۸۰ حاشیہ

۳۴۔ سیرت المصطفیٰ، ۲/۲۷۴

۳۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الخیر، دمشق، ۲/۴۷

۳۶۔ بخاری: کتاب الایمان والنذور، باب اذا حرم طعامہ، رقم: ۶۱۹۷

۳۷۔ ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، ۲/۳۱۸

۳۸۔ سیرت النبی، ۱/۲۱۷

۳۹۔ ایضا، ۱/۳۱۴

۴۰۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب فاسجدوا للہ واعبدوہ، رقم: ۴۴۸۴

۴۱۔ سیرت النبی، ۱/۱۴۷

۴۲۔ الاحزاب: ۹

۴۳۔ ابن کثیر، ۳/۵۱۸

۴۴۔ سیرت النبی، ۱/۲۴۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆